لَا مُفَرَّ مِنَ الْمَوت۔۔۔ موت سے کیسی فرار؟

مفر

اریج راؤ

مفر

اریج راؤ

Copyright & Publication Notice

All Rights Reserved

The moral rights of the author have been asserted. No part of this publication may be reproduced, distributed, or transmitted in any form or by any means, including photocopying, recording, or other electronic or mechanical methods, without the prior written permission of the copyright holder.

Published by: Safar-e-Adab Publications

Official Release: www.safareadab.com

Submissions

Interested in seeing your work featured? We are always looking for new voices. Please read the below publishing guides to choose the best option for yourself:

- **Self-Publishing Community:** https://safareadab.com/self-publishing-community/
- **Safar-e-Adab Specials:** https://safareadab.com/safar-e-adab-specials/
- **Instagram Subscribers:** https://safareadab.com/safar-e-adab-instagram-subscribers-is-guide/

Confused? Need Help? Contact us via email at info@safareadab.com

---

Important Note

Safar-e-Adab Publications operates on a **no-fee basis** for online publication. We do not charge authors for the processing or hosting of digital works.

Warning: If you are approached by any individual requesting a fee to publish under our brand, please cease communication immediately. Report such activity via the **Contact Us** portal on our official website or report via our discord server.

Thank you for your cooperation and for being part of our community

ضروری بات

مفر کے تمام جملہ حقوق لکھاری "اریج راؤ" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

باب نمبر 04

خون آشوب

خون آشوب فضانے
یہ اعلان کیا ہے
کسی کا سر قلم
اور کسی کا راز کھلا ہے

موّذن جاگ چکا تھا، کراچی فجر کی اذانوں سے گونج رہا تھا، ایسے میں اگر رُخ مغرور محل نما آشیانوں کی جانب کر لیا جائے تو کبیر محل کی تختی لگے گھر کے افراد بھی جاگ چکے تھے۔ پہلی منزل پر بنے سب سے پہلے کمرے کا رُخ کریں تو صوفیہ خاتون تسبیح ہاتھ میں لیے کسی سوچ میں غرق تھیں۔ شاید کل رات کھانے کی میز پر ہوئی گفتگو یا پھر زید کبیر کا اُن کے کمرے میں آنا، کچھ تو تھا جو اُن کو پریشان کر رہا تھا، لیکن کیا؟ یہ ہم جلد جان جائیں گے۔

ابھی کے لیے ادھیڑ عمر خاتون کو اُن کے حال پر چھوڑے اگر رُخ دوسری منزل پر بنے کئی کمروں میں سے ایک کمرے کی طرف کر لیا جائے تو چادر سر پر لپیٹے، دیوار گیر کھڑکی کے سامنے کوئی سوگوار سا وجود کھڑا تھا۔ لاتعداد سوچیں، تلخ یادیں، مخصوص چہرے، اُس نے ایک گہری لمبی سانس بھری، پھر سر جھٹک کر موّذن کے اذان ختم ہونے کا انتظار کیا۔ آسمان

سیاہ سے تیز نیلا ہونے لگا، کچھ دیر بعد کمرے کے در و دیوار نے ازمیہ نعمان کو نماز ادا کرتے دیکھا۔ پُر سکون سجدے، لمبی نماز اور ٹھہری ہوئی دعا۔

تیز نیلے سے ہلکا نیلا اور پھر سنہری ہوتا آسمان سحر طلوع ہو جانے کا پتا دیتا تھا۔ اب وہ آئینے کے سامنے کھڑی آج کے معمول کو دہرا رہی تھی۔ ایک چکر کچہری کا لگا کر پھر وہ کبیر انٹر پرائزز جائے گی، محمل کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کا حصہ بنے گی اور پھر واپس کورٹ۔ ایک کیس کی ہیئرنگ اور دو کلائنٹس سے ملاقات اور یوں ازمیہ نعمان کا دن غروب ہو جائے گا۔ ایک ہاتھ سست روی سے بالوں میں کنگھی کرنے میں مصروف تھا۔ وہ کچھ مختلف نظر آتی تھی۔ بس تھوڑی الگ۔ کل کھانے کی میز پر زید کبیر کو جواب دیتی ازمیہ سے الگ، صوفیہ خاتون کو مات دیتی ازمیہ سے الگ۔ ضامن اقبال کو دوبدو جواب دیتی ازمیہ سے الگ۔

اب وہ ناشتے کی میز پر بے دھیانی سے سیب کاٹ رہی تھی۔ ایک قاش کاٹی پھر پورا سیب، کچھ دیر پہلے سالم پڑا سیب اب کئی ٹکروں میں بٹ چکا تھا۔ کھایا پھر بھی نہ گیا۔ یوں کی یوں پلیٹ موسیٰ کی جانب کھسکا دی گئی۔ ٹک ٹک کرتی گھڑی نے گہری سانس بھری، عزاب بس نازل ہونے کو تھا۔

موسیٰ کو کالج چھوڑے اب اُس کی گاڑی کا رُخ کچہری کی جانب تھا۔ وہاں زیادہ دیر نہیں لگائے گی، زیادہ سے زیادہ ایک کلائنٹ سے ملاقات اور پھر وہ محمل سے میٹنگ کے لیے نکل پڑے گی۔ اُس نے ایک بار معمول پھر دہرایا، آہ یہ ابنِ آدم بھی نا۔۔۔

سورج مکمل طور پر طلوع ہو چکا تھا، سمندر کے باعث ہوا میں موجود ٹھنڈک سورج کی تپش سے مات کھا چکی تھی۔ یہ کراچی کا شدت پسند سورج۔

گاڑی پارک کیے وہ چند فائلز (files) ہاتھ میں لیے اتری۔ انداز میں اُجلت سی تھی۔ چند راہداریاں، چلتی پھرتی زندگی، وکلاء کا جم غفیر، حالات کے مارے لوگ، وہ اِس منظر کی عادی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے چیمبر کے سامنے موجود تھی۔ فوجداری وکیل، کرمنل لائر ازمیہ نعمان۔

اب وہ دروازہ کھولے اندر داخل ہوئی، نارمل سا چیمبر، ایک طرف کاغزات کا پلندہ، کمرے کے بیچ و بیچ لکڑی کا میز اور کرسی، میز پر رکھا سبز پرچم اور چند فائلز، تمہیں چاہیے کہ تم اس کمرے کی ساخت کو حفظ کر لو، میں بار بار بتانے کی قائل نہیں۔

ہاتھ میں پکڑی فائلز میز پر رکھے وہ کرسی کھینچتے بیٹھ چکی تھی۔ اگر ایک کپ چائے مل جاتی تو۔۔۔

ابھی وہ اپنی سوچ کو عملی جاما پہناتی ہی کہ خاکی وردی میں درمیانی سی عمر کے شخص دروازے پر نمودار ہوئے، ہاتھ میں دو خاکی لفافے۔

"جی منیر بھائی؟" وہ شاید نئے آنے والے چہرے سے واقف تھی۔

"یہ ابھی ڈاکیہ دے کر گیا ہے۔ شکر آپ وقت پر آگئیں ورنہ یہ میرے پاس ہی پڑے رہتے۔" وہ شاید زیادہ بولنے کے عادی تھے، غیر ضروری اطلاعات۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں؟" سر ہلاتے اُس نے لفافے پکڑ لیے۔ کسی کلائنٹ کی طرف سے کوئی پیپرز ہوں گے، چائے منگوا کر ساتھ انہیں بھی دیکھ لے گی۔ اُس نے سوچا۔

"جی آج دوپہر دو والی گاڑی سے گاؤں کے لیے نکلوں گا۔" سادہ سا انداز۔

"چلیں خیریت سے جائیں۔" سر ہلائے دعا دی۔

"شکریہ!" نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے وہ جا چکے تھے۔

ہاں تو وہ کیا سوچ رہی تھی؟ چائے، ہاں چائے، اگر چائے کا ایک کپ مل جاتا تو دن میں ہونے والے متوقع سر درد سے نجات مل جاتی۔ اور پھر وہ دو خاکی لفافے۔ اسی سوچ کے ساتھ میز پر رکھے فون کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ کرسی پر براجمان لڑکی اور میز پر پڑے فون کے درمیان دو خاکی لفافے جوں کے توں پڑے تھے۔ ابھی وہ فون اٹھاتی کہ دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی۔ ہاتھ واپس کھینچ لیا گیا۔ اب کی بار چادر سے منہ ڈھکے ایک عورت اور برقعے میں لپٹی کوئی اکیس بائیس سالہ لڑکی نمودار ہوئی۔

"آپ نے آج بلایا تھا جی۔" خالص دیہاتی لہجہ۔

"جی، آجائیں۔" ایک ہاتھ سے پیشانی مسلتے اُن کو لکڑی کے بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی دیوار کے ساتھ پڑا ہوا بینچ۔ شاید میں نے پہلے تمہیں اِس کے بارے میں نہیں بتایا۔

"پانی؟" لکڑی کی کرسی گھسیٹے وہ بینچ کے عین سامنے رکھ چکی تھی۔

"نہیں جی، آپ بس ہمیں انصاف دلوادیں۔" تڑپ سے شروع ہونے والی گفتگو، ماں کے آنسوؤں سے ہوتے ہوئے انصاف دلانے کے عہد پر ختم ہوئی۔ کیس کے احوال جاننے، پورا قصہ سننے میں کم از کم ایک گھنٹہ لگ گیا۔ جب تک وہ اٹھ کر گئیں گھڑی گیارہ کے ہندسے پر ٹک چکی تھی۔

یہاں سے نکل کر کبیر انٹرپرازز کا راستہ، کم از کم پینتالیس منٹ کا سفر، بارہ بجے محمل سے میٹنگ، نہیں چائے کا وقت اب نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی کبیر انٹرپرائزز سے واپسی پر وہ یہاں ہی آئے گی، باقی کام پھر سہی۔ ایک بار پھر سب ترتیب دیا گیا۔ خاکی لفافے ایک بار پھر مایوس ہوئے۔

گیارہ پچاس پر وہ کبیر انٹرپرائزز میں داخل ہورہی تھی۔ سادہ سا چہرہ، وکلاء والا مخصوص لباس، اب وہ لفٹ کی جانب بڑھی۔ جب تک وہ میٹنگ روم میں داخل ہوئی گھڑی گیارہ ستاون بجا چکی تھی۔ وہ وقت پر پہنچ گئی تھی، اُس نے گہری سانس لی۔

لمبے میز کے گرد کل چودہ کرسیاں موجود تھیں، چھ کرسیاں ایک طرف اور چھ اُس کے مخالف سمت اور دو سربراہی کرسیاں۔ ایک سربراہی کرسی پر زید کبیر براجمان تھے۔ ناک پر ٹکا موٹا چشمہ، پکا رنگ اور سنجیدہ طبیعت کے مالک زید کبیر۔ نظریں کسی فائل پر جمی تھیں۔ اُن کے بائیں ہاتھ والی کرسی پر قیوم کبیر موجود تھے اور دائیں ہاتھ والی کرسی پر ولی۔ باقی چند کرسیوں پر کمپنی کے خاص ایمپلائز موجود تھے اور چند کرسیاں خالی تھیں۔ محمل والے ابھی تک نہ آئے تھے۔ ایک کرسی کھینچتے وہ بھی بیٹھ چکی تھی۔

گھڑی کے بارہ بجاتے ہی میٹنگ روم کا دروازہ کھلا تھا، اندر داخل ہونے والا وجود ناک کی سیدھ میں چلتا زید کبیر کے مخالف پڑی کرسی کے پاس جا کر رکا۔ مراد رضا۔ دو فائلز ہاتھ میں تھامے اُس کے پیچھے ہی ایک اور لڑکی داخل ہوئی، تمہارا اُس سے تعارف ہو چکا ہے، ابتھال ہانم۔

سر کے مخصوص اشارے سے سلام کیے سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے۔

سر گھمائے، شفیق مسکراہٹ سے تکتی ازمیہ۔ آنکھوں میں شناسائی کی رمق لیے سر ہلاتی ابتھال۔ فضا میں واقفیت کی خبر پھیلتی چلی گئی۔

بڑی اسکرین پر بیماریوں کی وجوہات سے لے کر متاثر ہونے والے افراد کی متوقع تعداد کے بارے میں مکالمے چلتے رہے، کمرے میں موجود سب نے گفتگو میں حصہ لیا سوائے تین افراد کے، اور کیا مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ تین لوگ کون تھے؟ ازمیہ، مراد اور زید کبیر۔

محمل، فارماسیوٹیکل کمپنی۔

کبیر انٹرپرائزز، انویسٹرز۔

محمل اور کبیر انٹرپرائزز کا ساتھ منافع تک کا تھا۔ کبیر انٹرپرائزز کا کام تھا سرمایہ مہیہ کرنا اور محمل کا اسے دُگنا کر کے واپس کرنا۔ مطلب کی دنیا اور مطلب کے تعلقات۔

"منافع کی شرح ہمیشہ والی رہے گی۔" اِس سارے عرصے میں زید کبیر نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

"کیوں نا اس بار کچھ مختلف کیا جائے؟" میز پر رکھے ایک ٹشو پر وہ مسلسل پین کو گھما رہا تھا، شاید کچھ بنا رہا تھا۔

"ہماری شرح طے شدہ ہے، ردوبدل کی گنجائش نہیں نکلتی۔" انہوں نے ایک نظر مراد کے چلتے ہاتھ پر ڈالی، کچھ ہونے والا تھا اور جو ہونے والا تھا وہ اُن کے حق میں نہیں تھا۔

"80-20، 100% میں سے 20% آپ کا نفع۔" توجہ اب بھی اپنے چلتے ہاتھوں پر تھی۔

"50-50، جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔" وہ اب سیدھے ہو بیٹھے تھے۔ انہیں اس کا اندازہ ہونا چاہیے تھا، انہیں پہلے نہ جان لینے کا دکھ ہوا۔

"جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اسے بدلنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔" ہنوز نیلی روشنائی والا پین اور ٹشو، اب وہ کسی چیز میں رنگ بھر رہا تھا، مہارت یہ کہ ٹشو پھٹتا نہ تھا۔

"محمل آخری حل نہیں۔" زید کبیر کے پاس یہ آخری چال تھی، انہیں اس کی توقع نہ تھی۔

"جتنا نفع محمل نے کبیر انٹرپرائزز کو دو سال میں دیا ہے اتنا آپ کی انویسٹ کی گئی کسی کمپنی نے نہیں دیا تو جی ہاں مسٹر کبیر! محمل آخری حل ہی ہے۔" وہ پُراعتماد تھا، کبیر انٹرپرائزز محمل کو چھوڑ ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ اتنا آسان نہ تھا۔

"ہمارہ معاہدہ ہو چکا ہے، واپسی کا راستہ نہیں نکلتا۔" ہاتھ میز پر رکھی پانی کی بوتل کی جانب بڑھا دیا۔ کھیل ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

"میں معاہدہ پر درج رقم لٹا چکا ہوں مسٹر کبیر۔" نظریں پھر وہیں۔۔

"میرا نہیں خیال کہ۔۔۔" بات ادھوری رہ گئی۔

"یا نفع 20-80 ہو گا یا کچھ بھی نہیں۔" اسی سکون سے بات کاٹ دی گئی، اب وہ چھوٹی انگلی کی مدد سے لکیریں کھینچ رہا تھا۔

"40-60" ایک آخری کوشش۔

"20-80" جوں کا توں۔

"30-70" ایک اور کوشش، مراد نے ٹھیک کہا تھا مخمل اُن کی کمزوری تھا، وہ مخمل نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ آہ مراد، اسے کمزوریوں کا استعمال آتا تھا بچ۔۔

"مناسب۔" وہ شاید اسی انتظار میں تھا۔ ایک آخر لکیر کھینچے وہ مطمئن نظر آتا تھا، وہ جو بنا رہا تھا شاید مکمل ہو چکا تھا۔ اب وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"30-70 پرافٹ اور مخمل کے 10% شیئرز، مناسب؟" اُس کے بائیں طرف سے نسوانی آواز ابھری، ازمیہ، آہ ازمیہ۔

"جی مس ازمیہ؟" وہ حیران ہوا تھا، حقیقتاً حیران، اسے اس کی توقع نہیں تھی، بالکل نہیں تھی۔

"میں نے کہا آپ کی ڈیمانڈ کے مطابق 30-70 کا پرافٹ اور مخمل کے دس فیصد شیئرز۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے وہ آگے کو جھک کر بیٹھی تھی۔

"ہمارے بیچ یہ طے نہیں ہوا تھا۔" بھینچ بھینچ کر الفاظ ادا کیے گئے۔ وہ مخمل نہیں دے سکتا تھا، کبھی نہیں، مخمل زید کبیر کے ساتھ ساتھ اُس کی بھی کمزوری تھا۔

"طے تو خیر ہمارے بیچ 50-50 ہوا تھا اگر آپ قائم رہنا چاہیں تو۔۔" بے نیازی سے کندھے اچکائے گئے۔

"جس وقت معاہدہ ہوا کیا آپ وہاں پر موجود تھیں مس ازمیہ؟" دو سال پہلے کا حوالہ دیا گیا۔

"اگر میں وہاں موجود ہوتی تو محمل کے کم از کم بیس پرسنٹ شیئرز ہمارے ہوتے تو مسٹر مراد! میں تب وہاں موجود نہیں تھی پر آج ہوں، بیس نہ سہی دس ہی سہی۔" وہی اعتماد۔۔

"مس ازمیہ؟" بھینچے لب۔

"مسٹر مراد!" پُرسکون آنکھیں۔۔

"کیا آپ جانتی ہیں آپ کی ایک بیوقوفی کی وجہ سے کبیر انٹرپرائزز کو محمل سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔" وہ پوچھ نہیں رہا تھا، وہ بتا رہا تھا۔ وہ اُس کمزوری کا پھر سے استعمال کر رہا تھا لیکن اس بار مقابل ازمیہ تھی۔

"شیور مسٹر مراد۔" وہ آگے کو مزید جھکی۔

"جی؟" وہ ابھی تک سنبھلا نہ تھا، کوئی انہونی بات نہ تھی لیکن مراد کے لیے محمل کیا تھا، کاش وہ کبھی کسی کو بتا پاتا۔ اور فلوقت محمل کے سنبھلنے اور سنبھلے رہنے کے لیے سرمایہ درکار تھا جو کبیر انٹرپرائزز کے علاوہ اسے کہیں سے نہیں مل سکتا تھا۔ وہ مینوپلیٹ کرنے آیا تھا اور وہ کر چکا تھا اگر ازمیہ نعمان خاموش رہتی تو۔ اُس نے بے اختیار آنکھیں میچیں، وہ ازمیہ کو اپنی کمزوری دے چکا تھا۔

"آپ نے کہا پچھلے دو سالوں میں ایک بھی کمپنی نے کبیر انٹرپرائزز کو اتنا نفع نہیں دیا جتنا محمل نے دیا، آپ نے درست کہا مسٹر مراد!" تھوڑا سا ٹھہراؤ۔۔

"لیکن آپ یہ بتانا بھول گئے کہ کبیر انٹرپرائزز کے علاوہ اتنا سرمایہ آپ کو کوئی اور مہیہ نہیں کر سکتا، نہ آج سے دو سال پہلے کر پاتا نہ آج کر پائے گا۔" اسی سکون سے بات ختم کی۔

"غلط فہمی ہے۔" ایک آخری کوشش۔

"آپ کو لگتا ہے انویسٹرز فرشتے ہوتے ہیں مسٹر مراد؟"

"آپ نے غالباً وکالت کی ہے مس ازمیہ؟"

"اگر آپ اپنے بزنس پڑھنے کا رعب جھاڑنا چاہتے ہیں تو شوق سے جھاڑیں مسٹر مراد، لیکن ہم دونوں جانتے ہیں میں غلط نہیں کہہ رہی۔"

"میں دس فیصد نہیں دوں گا۔" آواز مضطرب سی تھی۔

"ہم 70-30 پر راضی نہیں ہوں گے۔" کوئی اضطراب نہیں۔

"یہ ڈیل ہمیشہ سے میرے اور مسٹر زید کے درمیان رہی ہے۔" اُس نے زید کبیر اور ازمیہ کے خراب تعلقات کا استعمال کرنا چاہا۔

"70-30 اور دس فیصد شیئرز، فیصلہ آپ کا ہے مسٹر مراد۔" پھر دہرایا گیا۔

"مسٹر زید۔" اب وہ سامنے زید کبیر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جواب خاصے مطمئن نظر آتے تھے۔

"ہماری ڈیل 50-50 کی تھی، اگر شرح تمہاری مرضی کی ہے تو ٹرمز ہماری مرضی کی ہونی چاہیئے مراد۔" وہ پُرسکون ہو چکے تھے۔ اب ازمیہ اِس کمرے میں بیٹھی چبھ نہیں رہی تھی۔

"میں مخمل نہیں دوں گا۔" بے چینی سے گلے میں لٹکی ٹائی ڈھیلی کی۔

"آپ ایسے پریشان ہو رہے ہیں جیسے کوئی آپ سے مخمل کو چھین لے گا۔ یا آپ مخمل کے اصل حقدار نہیں ہیں، کیا ایسا ہی ہے مسٹر مراد؟" وہ پہلی بار مسکرائی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" آنکھوں سے وہ شعلے نکلے کہ واللہ! کاش اسے ازمیہ نعمان کے یہاں موجود ہونے کی خبر پہلے سے ہوتی، کاش۔

"شیور، اگر آپ کہہ رہے ہیں تو۔" اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا، نظریں ہنوز مراد پر ٹکی تھیں۔

"60-40" وہ اپنی ملکہ مروانے کی بجائے واپس ہٹا چکا تھا۔

"شاید آپ نے سنا نہیں مسٹر مرا۔۔۔" ازمیہ وہیں ڈٹی کھڑی تھی۔

"میں نے سن لیا۔" بات بیچ میں درشتگی سے کاٹ دی گئی۔ ملکہ ایک اور قدم پیچھے۔۔

"50-50 یا پھر۔" ازمیہ نے دہرانا پھر بھی مناسب سمجھا۔

"بہتر۔" ایک لمحے کا وقفہ، اور وہ مان گیا۔ زید کبیر کی گہری سانس کی آواز سب نے سنی۔

"بہت بہتر۔" جواباً ہلکی سی مسکراہٹ سب کو دیے وہ واپس کرسی سے پشت لگا چکی تھی۔

چند کاغزات کا ہیر پھیر اور مخصوص جگہ پر مخصوص لوگوں کے دستخت، میٹنگ برخاست ہو چکی تھی۔

گھڑی نے جب ایک کا ہندسہ پار کیا تب وہ میٹنگ روم سے نکل رہی تھی۔

"پرسوں فری ہو تم؟" پیچھے سے زید کبیر کی آواز گونجی۔ وہ شاید اُس سے مخاطب تھے۔

"کوئی کام تھا؟" وہ سر گھمائے پوچھ رہی تھی، لہجہ مؤدب تھا۔

"محمل کا چکر لگانا ہے، کچھ شبہات ہیں مجھے اُن پر بات بھی ہو جائے گی اور۔۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہے تھے، جیسے وہ چاہتے ہوں کہ وہ آئے۔

"میں آجاؤں گی۔" الوداعی نظر ڈالے وہ تیز روی سے نکلی تھی۔

چمچماتے فرش پر فولڈ ہوا ٹشو پڑا تھا۔ آگے بڑھ کر اُسے کھولا جائے تو اُس میں ایک گھوڑے کا خاکہ ملے گا۔ نیلی روشنائی سے بنا گھوڑا، لہراتے بالوں والا دو ٹانگیں موڑے کھڑا، با وقار گھوڑا۔

اسے دو بجے تک کچہری پہنچنا تھا، ورنہ وہ ہیر نگ کے لیے وقت پر نہ پہنچ پاتی۔ جج کے مصروف ہونے کے باعث اسے اتنا وقت مل گیا۔ عام دنوں میں ہیئرنگز 1:30pm تک اختتام کو پہنچ چکی ہوتی۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ بس اب وہ کسی طرح وقت پر کچہری پہنچ جائے۔ تشکر بھری سانس لیتے وہ اپنی گاڑی کا دروازہ کھول رہی تھی۔

عین دو بجے وہ کچہری میں موجود تھی، بھاگم بھاگ کمرہ عدالت پہنچی۔ جو بھی تھا وہ ہیئرنگ کے لیے وقت پر حاضر ہو چکی تھی۔ اُس نے پُر سکون سانس بھری۔

****

"کام کا کیا بنا؟" فون کان سے لگائے وہ بلند عمارت کے مین آفس میں کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔

"مقابل سمت خاموشی ہی خاموشی ہے۔ اللہ خیر!" فون کے اُس پار سے کسی کی محظوظ سی آواز گونجی۔

"خاموشی ہی تو نہیں ہے۔" گہری سانس بھرے وہ بڑبڑایا تھا۔ کاش خاموشی ہی ہوتی۔

"کچھ ہوا ہے؟" وہ چونکا تھا، وہ مقابل کو جانتا تھا۔ وہ اتنی جلدی متفکر نہیں ہوا کرتا تھا۔

"جو کرنا ہے جلدی کرو، اس کے عالاوہ بھی بہت مسئلے ہیں۔" سر جھٹکتے وہ فون کاٹ چکا تھا۔

اب وہ آفس چیئر پر بیٹھا جھول رہا تھا۔ یہ کیس والا معاملہ نپٹے تو وہ کچھ اور سوچے، کچھ اور جیسے محمل۔ آہ یہ محمل کے شوقین!

اب وہ میز پر پڑے لیپ ٹاپ میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ عام نظر آنے والا شخص عام تو ہرگز نہیں تھا۔ محمل والے عام نہیں ہوا کرتے۔ ایسا آئینہ رضا کہا کرتی تھیں۔ آئینہ رضا سے تمہارا تعارف جلد ہونے والا ہے۔ ڈاکٹر آئینہ رضا، فارماسسٹ آئینہ رضا!

****

"چیف میٹنگ روم میں بلا رہے ہیں۔" چھوٹے سے کیبن میں پڑا لینڈ لائن فون تھر تھرایا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر پوری طرح سے جھکے وجود کی توجہ میں خلل، اللہ اللہ۔۔۔

"اِس وقت؟" سر گھمائے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا۔ یہ لوگ اسے سکون سے کام کرنے کیوں نہیں دیتے تھے؟

"تم آرہے ہو یا چیف تک تمہارا انکار پہنچا دوں؟" نسوانی بے زار آواز پھر سے گونجی۔

"میں نے انکار کب کیا؟" اس غریب نے تو صرف وقت کا ہی کہا تھا۔ آہ ہمارا احمد!

"کیا تو ہے ابھی۔" ٹھک سے فون بند۔ وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر ایک آخری نظر 'ضروری کام' پر ڈالے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو واپس گرائے وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ چھوٹے سے کیبن نما میٹنگ روم کے سامنے موجود تھا۔

****

ہیئرنگ سے فارغ ہوتے ہوتے اور کلائنٹ کو تسلی دینے تک گھڑی سوا چار بجا چکی تھی۔ کورٹ سے چیمبر تک پہنچنے کے درمیان ہی اُس نے چائے منگوائی۔ تو بلا خراب وہ چائے پیے گی۔ سر کا درد اتنا شدید کہ آنکھیں سرخ ہوئی جاتی تھیں۔

(“Operant conditioning یعنی کسی کے دماغ کے ساتھ ایسے کھیلنا کہ وہ حال میں رہ کر سوچنے کے بجائے مستقبل کے متوقع نتائج کو سوچتے ہوئے فیصلہ کرے۔” مخالف بیٹھا وجود اب اپنا رُخ انگلی میں پکڑے گھما رہا تھا۔ دو مزید چال، اگر کامیاب تو بساط اُس کی۔)

اب وہ چیمبر کے بے حد قریب تھی۔ مخالف راہداری سے خاکی وردی پہنے پیون چائے کا کپ ایک سفید ڈش میں رکھے لا رہا تھا۔ وہ شاید اُس کی منگوائی ہوئی چائے تھی۔

("تمہیں لگتا ہے یہ کام کرے گا؟" پیادوں کو ترتیب دیتا کوئی پوچھ رہا تھا۔)

پیون، چائے کا کپ اور وہ قریب تر ہوتے گئے۔

("میں نے اُسے پڑھا ہے۔ اسے NPD ہے، Narcissistic personality disorder"ایک چال کامیاب۔ وہ بساط کے قریب تر تھا، مقابل کی ایک غلط چال اور سلطنت اُس کی۔ وہ شطرنج کا اچھا کھلاڑی تھا۔)

اب وہ دونوں چیمبر کے دروازے کے سامنے موجود تھے۔ وہ پہلے داخل ہوئی اور اُس کے پیچھے سفید ٹرے سیدھے ہاتھ میں پکڑے پیون داخل ہوا۔

(''یعنی کہ ؟'' کئی لمحوں کا وقفہ لیا گیا۔ ہر طرف سے مقابل کی متوقع چال کو سوچا گیا، اور وہ بساط بچا چکا تھا۔ وہ بھی شطرنج کا اچھا کھلاڑی تھا۔)

اب وہ تھکی سی لکڑی کی کرسی پر بیٹھی تھی۔ پیون چائے لکڑی کے میز پر رکھے دروازے سے نکل رہا تھا۔

("وہ ایک abandoned child ہے۔ اسے لوگوں کی ویلیڈیشن چاہیے۔ وہ لاکھ ظاہر کرے لیکن اُسے فرق پڑتا ہے کہ لوگ اُس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، اسے فرق پڑتا ہے کہ کبیر محل والے اُسے کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ وکیل اِس لیے نہیں بنی کیونکہ وہ بننا چاہتی تھی۔ وہ اس لیے بنی ہے تاکہ وہ 'لوگوں' کو بتا سکے کہ وہ وکیل ہے۔" چال ناکام ہونے پر گہری سانس بھری۔ ایک اور بار جال ترتیب دیا گیا۔)

ایک ہاتھ سے پیشانی سہلاتے وہ سفید کپ اٹھا چکی تھی۔ اب نظریں دو خاکی لفافوں کی جانب تھیں۔

("یعنی ہمیں اسے لوگوں کی نظروں میں گرانا ہے۔" وہ مقابل کے جال میں ایک بار پھر پھنس چکا تھا۔)

ہاتھ بڑھائے پہلا لفافہ اٹھا لیا گیا، الٹ پلٹ کر بھیجنے والے کا پتہ جاننا چاہا۔

("نہیں، ہمیں اس کو بس خوفزدہ کرنا ہے۔ اس کو وہ راستہ دکھانا ہے جس پر چل کر وہ لوگوں کی نظروں میں گر سکتی ہے۔ اسے مجبور کرنا ہے کہ وہ حال کی بجائے مستقبل کے نتائج کا سوچے اور وہ قدم اٹھائے جو 'ہم' چاہتے ہیں۔" ایک اور کامیاب چال۔ وہ جیتنے کے قریب تھا۔)

"پرووِنشل بار کاؤنسل" اب وہ سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔ بھنویں آپس میں جڑ چکی تھیں۔ سفید کپ اب ٹیبل پر پڑا تھا کسی غیر ضروری چیز کی طرح۔

("ہم بس اسے مینوپلیٹ کریں گے۔" وہ مقابل کے چال چلتے ہاتھ کو زیرک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، وہ مطمئن نظر آتا تھا۔)

ایک لیٹر، آفیشل لیٹر، اُس کی بددیانتی کا ذکر، ایک حل ہو چکے کیس کی تفصیل اور ایک ایسا گناہ جو کبھی سرزد ہی نہ ہوا۔

وہ بے سانس ہوئی۔ وہ جھوٹ بولتی تھی، وہ لوگوں کو اپنے مطلب کے لیے بھی استعمال کرتی تھی لیکن ذاتی مفاد کے لیے اپنے ہی کلائنٹ کو دھوکا دینا؟ وہ اس کی مرتکب کبھی نہ ہوئی تھی۔ آہ ازمیہ آہ، وہ یہ کہاں پھنس گئی تھی۔

("یہ اسے توڑنے کے لیے کافی ہوگا۔ وقتی ہی سہی وہ اوکیشن سے مائنس ہو جائے گی۔ ہم فالحال یہی چاہتے ہیں۔" ایک آخری moveاور مقابل کے حلق پر اُس کا ہاتھ، وہ اسے شہ دے چکا تھا، اب بس شہ مات باقی تھی۔)

وہ پروونشل بار کاؤنسل کی جانب سے جاری کیا جانے والا تحریری نوٹس پڑھ رہی تھی۔ اُس نے بارہا نام پڑھا۔

Sindh bar council

ہائی کورٹ بلڈنگ، کراچی

تاریخ 17 مارچ 2025

ایڈووکیٹ: ازمیہ نعمان

اندراج نمبر: SBC-KHI/4587/2024

اسی کا نام، اسی کی شناخت۔ اسے سنبھلنے میں چند ساعتیں لگیں۔ وہ اس کرائسس سے نکل آئے گی، دماغ نے فوراً تسلی دی۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں۔

کپکپاتے ہاتھ اگلے لفافے کی جانب بڑھائے۔ پاکستان بار کاؤنسل۔

اُس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ جانتی تھی اُس میں کیا ہونے والا ہے۔ اوہ خدایا نہیں، یہ نہیں!

("دو ہفتے، کل چودہ دن۔ بساط الٹنے کے لیے چودہ دن کافی ہیں۔" وہ چاروں طرف سے مقابل کے بادشاہ کو گھیرے کھڑا تھا، شہ مات بس ہونے کو تھی۔)

اُس نے خاکی لفافہ کھولا۔ایک اور لیٹر،آفیشل لیٹر،سفید کاغز،سیاہ روشنائی اور ٹیمپریری سسپنشن (temporary suspension)کا پیغام۔چودہ دنوں کے لیے اُس کا لائسنس نفی کر دیا گیا تھا۔اسے ان چودہ دنوں میں اس بد دیانتی کا جواب دینا تھا۔

آنکھیں مزید سُرخ ہو گئیں۔نہیں وہ روئے گی نہیں،یہ کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی،وہ کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لے گی۔لیکن کبیر محل والوں کی حقارت بھری نظریں،موسیٰ کی جھکی نگاہیں،سب تسلیاں بے کار گئیں۔اگر صوفیہ خاتون نے بھی اسے چھوڑ دیا تو؟اگر کبیر محل والوں نے اسے اپنانے سے انکار کر دیا تو؟

گزر چکے وقت میں شطرنج کھیلتے شخص نے صحیح کہا تھا۔وہ NPDکا شکار تھی۔وہ کرائسس سے نکلنے کی کوشش کی بجائے مستقبل میں رونما ہونے والے نتائج سے زیادہ خوفزدہ تھی۔operant conditioning،سزا کا خوف،پیچھے رہ جانے کا ڈر،سانس لینا ایک بار پھر مشکل ہوا۔

“And it was all a facade!”

(اور یہ سب ایک دکھاوہ تھا۔)

محمل کی اونچی عمارت کے کشادہ آفس میں بیٹھا وہ بڑبڑایا تھا۔

("شہ مات" آخری حرکت اور وہ جیت چکا تھا۔بنا دودھ کی چائے کی بہتی دھار اور سگار پیتا آدمی،ایک لمبا انتظار اور ایک نئی بساط کا انتظام،کیا تمہیں کچھ یاد آیا؟تو نتائج سامنے آ چکے تھے،مراد رضا شطرنج کی یہ بازی جیت چکا تھا۔)

آوازیں بند اور لاتعداد سوچوں کے بیچ دھیمی سی دستک۔اُس نے سر اوپر اٹھایا،ضامن اقبال۔وہ غلط وقت پر آیا تھا۔تو وہ جان گیا تھا؟یعنی سب جان گئے تھے۔اُسے کچہری سے لے کر چیمبر تک کے راستے میں وکلاء کی اُسے تکتی نظریں یاد آئیں۔وہ سب اُس سے پہلے جان گئے تھے۔

اُس نے سر پیچھے کو ڈھلکا دیا۔کاش وہ اٹھ کر دروازہ بند کر پاتی۔کاش وہ دنیا کی نظروں سے بچ پاتی، abandoned child،بروکن فیملی سے تعلق رکھنے والی اور خود ترسی کا شکار!اسے اپنا آپ وکٹم لگنے لگا،لیکن وہ اپنا امیج بحال کر لے گی۔وہ کر لے گی نا؟وہی سوچیں،وہی خوف اور بیچ میں دستک۔آہ وہ چلا کیوں نہ جاتا تھا؟

وہ گردن گھمائے اسے اندر داخل ہوتا دیکھ رہی تھی۔ حقارت، نفرت، طنز، مزاح کچھ تو ہونا چاہیے تھا اُن آنکھوں میں۔ خالی، شفاف، مخلص آنکھیں۔ اسے خواہ مخواہ ہی غصہ آیا۔ وہ جھوٹا تھا، ہاں ضامن جھوٹا تھا، اسے چاہیے تھا کہ وہ اُس پر ہنسے، وہ پاگل ہونے کو تھی۔ وہ روئی نہ تھی لیکن اسے رو لینا چاہیے تھا۔

"آپ زیادہ سوچ رہی ہیں۔" وہ لکڑی کے میز کے دوسری طرف کھڑا تھا۔

"میں 'سہی' سوچ رہی ہوں۔" گردن یوں ہی ڈھلکی رہی۔

"یہ کوئی بڑی بات نہیں۔" بے نیازی۔

"میں نے یہ نہیں کیا۔" وہ صفائی نہیں دے رہی تھی۔

"ازمیہ۔۔۔"

"میں نے یہ واقعی نہیں کیا، میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ بس بتا رہی تھی۔

"مجھے یقین ہے۔" وہی نرم، پُر وقار لہجہ۔

"تمہیں مجھ پر یقین ہے؟" اُسے پھر حیرت ہوئی۔

"سب کو ہے۔" ایک اور تسلی۔

"سب جھوٹ ہے ضامن۔" آواز لڑ کھڑا گئی۔ نہیں وہ روئے گی نہیں۔

"میں جانتا ہوں۔" چند ساعتوں کی خاموشی۔

"میں یہ کیسے ثابت کروں گی؟" وہ اب ڈینائل سے نکل چکی تھی۔

"چودہ دن بہت ہوتے ہیں ازمیہ۔" ایک اور تشفی۔

"تم میری مدد کرو گے؟" وہ پھر بہک گئی، نہیں، اُسے ساتھی وکیل سے مدد کی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اسے فوراً احساس ہوا۔

"میں کرتا اگر کر سکتا ہوتا۔ ویسے بھی یہ اتنا مشکل نہیں، مجھے یقین ہے آپ یہ ٹھیک کر لیں گی۔" نجانے وہ اتنا پُر سکون کیوں تھا۔

"کیا تمہیں اب یقین آیا کہ میں ٹھیک کہہ رہی تھی؟" اب وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ حوالہ اُن کے بیچ پچھلی ہیرنگ پر ہوئی گفتگو کی جانب تھا۔

"ہم اس پر پھر بات کریں گے۔" اُس نے بات ٹال دی۔

"کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟ تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں اسے بچا رہی ہوں کیوں کہ وہ میرا شوہر تھا؟" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ اسی دوران وہ اپنے حریف کو اپنا راز دے چکی تھی، آہ ازمیہ۔ اسے دکھ ہوا۔

"آپ کے قمر اعظم سے پرسنل ریلیشنز ہیں؟" وہی سکون، وہی اطمینان، وہ چونکا نہ تھا۔ یعنی وہ جانتا تھا۔ دکھ کچھ کم ہوا۔

"تھے۔ انسان ختم، تعلقات ختم۔" قمر کی موت کا ذکر اُس کے لیے کبھی آسان نہ رہا تھا۔

"تو آپ اسے ڈفینڈ کر رہی ہیں کیونکہ وہ آپ کا شوہر تھا۔" وہ بس پوچھ رہا تھا۔

"وہ قاتل نہیں تھا۔" وجہ پیش کی گئی۔

"سارے ثبوت۔۔۔" کئی بار کی گئی بات دہرائی۔

"جھوٹ ہے سب، جیسے یہ کاغز سچ نہیں کہتے۔" اشارہ میز پر پڑے کاغزات کی جانب تھا۔ وہی سفید کاغز اور سیاہ روشنائی۔

"آپ چودہ دن تک کوئی کیس نہیں لڑ سکتیں، یعنی آپ کی جگہ کوئی نیا وکیل! اگر یہ سب آپ کو کیس لڑنے سے روکنے کے لیے کیا گیا ہے تو آپ ہار چکی ہیں۔" وہ حقیقت پسند تھا۔

"وہ مجھے اتنی آسانی سے نہیں ہرا سکتے۔ نہ تم مجھے جانتے ہو اور نہ وہ۔" ہمیشہ والی ازمیہ کی چھوٹی سی جھلک، وہ سنبھل رہی تھی۔

"مناسب۔ میں سچ جاننے کی کوشش کروں گا۔" وہ جانے کے لیے مڑ گیا۔ وہ جو کہنے آیا تھا کہہ چکا تھا۔

"تم راز کو راز رکھو گے، مجھے امید ہے۔" وہ اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

"میں آپ کے قمر رضا سے تعلقات کے بارے میں جانتا تھا۔ اگر قمر رضا قاتل نہ بھی سہی وہ اس سب میں انوالو تھا۔ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طرح، میں نے اپنی آنکھوں کا علاج کروا لیا ہے ازمیہ! اور اب میں وہ دیکھ پارہا ہوں جو آپ آج تک نہیں دیکھ پائیں۔" وہی پُرانہ حوالہ، یہ لوگ ایک ہو چکی بات کو چھوڑ کیوں نہ دیتے تھے آخر؟

"ہم کون ہیں ضامن ؟" عارضی سا سوال۔

"اس وقت ہم دوست ہیں۔" وہ سر موڑے اسے دیکھے گیا۔

"اونہوں! ہم ایک دوسرے کو ہرانے کے تمنائی دو وکیل ہیں۔ تم میرے اور قمر کے رشتے کا استعمال کروگے۔" وہ پوچھ تو قطعاً نہیں رہی تھی۔

"مجھے یہ کرنا چاہیے، ہے نا؟ میں ایک اچھا وکیل ہوں۔" بے نیازی۔

"شیور!" اُس نے سر ہلایا۔ یہ واضح تھا، اگر وہ اس بات کا استعمال نہ کرتا تو وہ اچھا انسان ہو سکتا تھا اچھا وکیل نہیں۔

"ازمیہ ؟" نظریں ہنوز اُس پر جمی تھیں۔

"ہوں ؟"

"انسان کے ختم ہونے سے تعلقات ختم ہوتے تو آپ اُس کا نام صاف کرنے کے لیے اتنی کوشش کبھی نہ کرتیں۔ انسان مٹ جاتے ہیں لیکن تعلقات قبر کی تختی پر بڑی شان سے چمکتے ہیں۔" وہ اُس کی تھوڑی دیر پہلے کی گئی بات کو دہرا رہا تھا۔

"آپ یہ کرلیں گی، مجھے امید ہے۔" ایک اور بار تسلی دیے وہ جا چکا تھا۔

اب وہ سفید کاغز کو واپس لفافے میں ڈال رہی تھی، نہ کوئی کپکپاہٹ، نہ کچھ اور، وہ واقعی سنبھل چکی تھی۔ یا شاید جو وہ چاہتی تھی وہ کر چکی تھی۔ وہ تاش کے پتے نکال کر ترتیب دے چکی تھی۔ شطرنج نہ سہی پتوں کی ترتیب وہ بخوبی جانتی تھی۔ اب وہ اپنا سامان سمیٹ رہی تھی۔ آج کے لیے اتنا کام کافی تھا۔ باقی سب کل۔ اب وہ گھر جائے گی، بلکہ نہیں اب وہ کبیر محل جائے گی، کبیر محل اُس کے لیے گھر کبھی نہ رہا تھا۔

****

CBI investigations پرائیویٹ انویسٹگیشن کمپنی۔ چھوٹی سی دو منزلہ عمارت۔ سانس لیتی شاہراہ کا شور وہیں چھوڑے اگر سفید عمارت کے اندر داخل ہوں تو ایک چھوٹے سے کاؤنٹر پر ایک بے زار سی خاتون بیٹھی تھیں، سرکاری اسکول کی اُردو کی استانی۔ اگر تمہارا سامنا کبھی ایسی اُستانی سے ہوا ہوتا تو تم جان جاتے کہ اس وقت وہ عمارت میں داخل ہوتے افراد کو کن نظروں سے دیکھ رہی ہوں گی۔

پہلی منزل پر بنے چند شیشوں کے دروازوں والے کیبنز۔ایک قطار میں چند کرسیاں رکھیں تھیں،وہ شاید ویٹنگ ایریا تھا۔سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کا رُخ کیا جائے تو سیدھے ہاتھ پر بنے ایک کمرے کو کچن کی شکل دی گئی تھی اور باقی پوری منزل پر جا بجا ڈیسکس اور کمپیوٹرز پڑے تھے۔ایک کونے پر چھوٹا سا شیشے کا بنا کیبن،وہ میٹنگ روم تھا۔تھوڑا آگے چل کر چند اور آفس بھی موجود تھے لیکن اُن کا دورہ پھر کبھی سہی،فالحال ہماری توجہ کا مرکز چھوٹا سا میٹنگ روم ہے۔

"احمد کہاں ہے؟"آمنے سامنے کل چھ کرسیاں،اور دو سربراہی کرسی۔ایک سربراہی کرسی پر بیٹھے سفید قلموں والے ڈیسنٹ سے مرد، مصطفیٰ زیدی،انہوں نے ایک نظر میں پورے میٹنگ ہال کا جائزہ لیا۔دائیں ہاتھ والی کرسی خالی تھی۔

"آگیا ہوں۔"وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو رہا تھا۔اسے سخت نظروں سے نوازے مصطفیٰ صاحب اب بات کا آغاز کر رہے تھے۔

"ایک کیس ہے۔"چند فائل کھول کر میز پر رکھی گئیں۔

"کیس ڈیٹیلز۔"اشارہ میز کے بیچ و بیچ پڑی لال فائل کی جانب تھا۔

"قتل،چوری،فراڈ؟کیا نوعیت ہے؟"دائیں ہاتھ والی کرسی پر بیٹھا وجود باقی تمام لوگوں سے زیادہ پُر سکون۔

"سب۔سب کچھ ہے اِس کیس میں۔"اب وہ کیس کے بارے میں مزید بتا رہے تھے۔

"کون لوگ ہیں؟"کیس کی لمبی تفصیل کا اختتام احمد کے سوال پر ہوا۔

"وکلاء۔"ایک لفظی جواب۔اُن کے صاحب زادے کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ لمبا جواب دینا پسند کرتے۔

"لاء فرم؟"سوالوں کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔

"سرکاری وکیل ہیں۔"اُس کے متوقع جواب سے وہ واقف تھے۔

"ہم کب سے سرکاری وکیلوں کے لیے کیس حل کرنے لگے؟"اُس کا دل کیس کی جانب سے اچانک ہی اچاٹ ہوا۔

"پہلی بار سہی۔"بغیر اُس کے احتجاج کو خاطر میں لائے اب وہ باقیوں کی جانب متوجہ تھے۔

"یہ اللیگل ہے۔"ایک اور دلیل۔

"اجازت نامہ۔"انہوں نے ایک سفید کاغذ اُس کے سامنے رکھا۔اب وہ سرسری سا کاغذ پر نظر دوڑا رہا تھا۔

"اینی والنٹیئر؟"انہوں نے کمرے میں بیٹھے نفوس کے چہروں پر نظریں دوڑائیں۔

"اشمل؟"اُن کے بائیں طرف ایک کرسی چھوڑ کر بیٹھی لڑکی۔

"چیف میں پراپرٹی والا کیس ہینڈل کر رہی ہوں۔"صاف احتراز برتا گیا۔

"احمد؟"اب نظروں کا رُخ دائیں جانب تھا۔

"میں فیک ڈاکیومنٹس والا، مجھے نہیں لگتا میں اِس پر کام کر پاؤں گا۔"کھلا انکار۔

"احمد اور اشمل؟"اب وہ دونوں سے مخاطب تھے۔

"چیف؟"جواب بائیں جانب سے آیا تھا۔

"یہ کیس آپ دونوں دیکھیں گے۔"اب کی بار وہ پوچھ نہیں رہے تھے۔

"پر چیف۔۔"بائیں جانب سے ایک اور معمولی سا احتجاج۔

"کیس ڈیٹیلز پڑھیں، مختصر فائل تیار کریں، کل دو دن ہیں آپ دونوں کے پاس۔چار دن بعد کیس کی ہیئرنگ ہے۔ اس سے پہلے کوئی کلیو چاہیے۔"اب وہ ہدایات دے رہے تھے۔

"مجھے منظور ہے۔"احمد مصطفیٰ،اُس کے ذہن میں کچھ تو چل رہا تھا،ورنہ وہ اتنی آسانی سے مان جائے؟مشکل ہے۔

"لیکن یا اگر؟"مصطفیٰ زیدی پُرسکون سے پوچھ رہے تھے۔بغیر شرطوں کے وہ کسی کام کے لیے مان جائے؟یہ بھی مشکل ہے۔

"دونوں۔"اب وہ آگے کو جھکا تھا۔

"یہاں کام کرنا ہے تو میری ٹرمز پر کرنا ہوگا احمد!"اُن کے تاثرات بگڑنے لگے تھے،کیا کریں وہ آخر اِس لڑکے کا؟

"آپ کو نہیں لگتا کہ یہ پرانی بحث ہے اور آپ کو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔"باقی تمام نفوس اس مکالمے کے ختم ہونے کے انتظار میں تھے۔

"اور تمہارا کمپنی کو چھوڑنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"دبدوجواب۔

"آپ کو اس بڑھاپے میں اکیلا چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں؟"اپنے باپ کے بگڑتے تاثرات کو دیکھتے بڑی مشکل سے مسکراہٹ روکی گئی۔

"بڑھاپا آیا ہوگا تم پر اور تمہاری ماں پر۔"وہ بری طرح سے بگڑے تھے۔

"اوکے چیف۔" سر ہلائے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں؟میری بات مکمل نہیں ہوئی۔" لب بری طرح بھینچے۔

"اگلے دومنٹ میں امی کی کال آنے والی ہے۔ مجھے یقین ہے آپ نہیں چاہتے کہ وہ کال میں یہاں سب کے سامنے سنوں۔" انداز پوچھنے والا تھا اور الفاظ دھمکی والے۔

"کچھ ہوا ہے؟" وہ یکدم محتاط ہوئے۔

"نہیں ابھی ہوگا۔ جب۔۔۔" اب وہ دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

"جب؟" انہوں نے دہرایا۔

"جب میں امی کو وہ وائس ریکارڈنگ بھیجوں گا جس میں آپ امی اور مجھے بوڑھا کہہ رہے ہیں۔ پہلے وہ تصدیق کے لیے مجھے کال کریں گی اور پھر آپ کو۔" ہاتھ میں پکڑا فون لہرایا۔

"بھیج دو۔ تمہیں لگتا ہے میں ڈرتا ہوں؟" بہادری کا مظاہرہ۔

"شیور چیف۔" سر ہلائے وہ واپس مڑ گیا۔

"رکو۔" دروازے سے ایک قدم ہی باہر نکالا تھا۔ وہ گہرا مسکرایا۔

"جی؟" لمحے کے اندر چہرے پر واپس سنجیدگی سجائے وہ واپس مڑا۔

"بولو۔" باقائدہ دانتوں کو کچکچایا گیا۔

"لیکن یا اگر؟" اب وہ دونوں بازو باندھے پوچھ رہا تھا۔

"دونوں۔" وہ جانتے تھے اس کے بغیر چارہ نہیں۔

"میں کیس پر کام کروں گا لیکن ہر فیصلہ لینے کا اختیار میرا ہوگا۔ کب کون سا قدم اٹھانا ہے اس کا فیصلہ میرا ہوگا چیف۔" اب وہ مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔

"اوکے۔" ماننے لائق شرط تھی سو مان لی گئی۔

"میں کیس پر کام کروں گا اگر میری پچھلی پینلٹی ختم کر دی جائے اور اس سال کے بونس میں زیادہ نہیں کوئی 20٪ اضافہ کر دیا جائے تو۔" اب کی بار قسمت آزمائی گئی۔

’’حرکتیں درست کرو تو پینلٹی کوئی نہیں لگتا اور بونس والا تو چانس ہی نہیں ہے۔‘‘ وہ یکدم بگڑے۔ کندھے اچکائے احمد نے رُخ واپس موڑ لیا۔ اب وہ کمرے کی حدود سے تقریباً باہر تھا۔

"ٹھیک ہے 10٪۔" پیچھے سے پھر آواز گونجی۔ وہ لاکھ انکار کریں پر وہ جانتے تھے کہ اگر انہیں جلد اور مؤثر نتائج چاہیے تو احمد یہ کر سکتا تھا۔ وہ تحقیقات کرنے میں زیادہ اچھا نہ سہی باقیوں سے بہتر تھا۔

"20٪" وہ وہیں ڈٹا رہا۔

"15٪" ایک اور کوشش۔

"ڈن۔" کچھ سوچ کر سر ہلا دیا گیا۔

"مجھے جلدی کوئی نتیجہ چاہیے ورنہ تم اپنا کہیں اور بندوبست کر سکتے ہو۔" بے جا بونس کا غصہ یوں نکالا گیا۔

"آپ کو لگتا ہے مجھے جابز کی کمی ہے؟" بے نیازی سے کہتا وہ وہیں کھڑا تھا۔

"ڈلیٹ کرو۔" اب وہ بھنویں اچکائے کہہ رہے تھے۔

"کیا؟" انجان۔

"وہ وائس ریکارڈنگ۔" دبا دبا کر لفظ ادا کیے گئے۔

"کون سی ریکارڈنگ؟" بھنویں یوں سکیڑیں گویا وہ جانتا ہی نہ ہو کہ کیا بات ہو رہی ہے۔

"اشمل اپنا چارجر تو دینا میرا فون بند پڑا ہے دوپہر سے۔" اب وہ چیف کے بائیں جانب بیٹھی لڑکی سے مخاطب تھا، معمولی سا انداز۔

"ذلیل آدمی!" اُس کی کمرے سے نکلتی پشت کو دیکھ کر وہ بڑبڑائے تھے۔ دو چار اور صلواتیں سناتے وہ اختتامیہ الفاظ ادا کر رہے تھے۔ لیکن ہماری توجہ کا مرکز جا چکا ہے سو ہم بھی چلے۔

****

گزر چکی رات اور طلوع ہو چکی صبح کو گزارے اگر وقتِ حاضر میں قدم رکھیں تو سفید پرانے ماڈل کی آلٹو سست روی سے یونیورسٹی روڈ آف کراچی پر پھسل رہی تھی۔ منزل بس قریب ہی تھی۔

پارکنگ لاٹ میں گاڑی لگائے وہ جامعہ دارالعلوم کراچی کی کئی رقبے پر پھیلی عمارت کے سامنے موجود تھا۔ کچھ وقت بعد وہ یونیورسٹی کی کھلی راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ طلبہ کی کثیر تعداد محوِ حرکت تھی۔

"آج علمِ قراءات کی کلاس مس کریں گے۔" اُس نے دو طلبہ کو بات کرتے سنا۔

اب وہ ایڈمن بلاک کے قریب تھا۔ راہداری کے آغاز میں ایک چوکیدار، دو منٹ کی گفتگو کے بعد وہ ایڈمن بلاک کی وسیع راہداری کی جانب مڑا۔

ایک کے بعد ایک کمرے کو پیچھے چھوڑے اب وہ الگ حصے میں بنے ڈین کے آفس کے باہر موجود تھا۔

کرسی پر بیٹھے پیون کے آگے ایک چھوٹا سا سفید کاغز لہرایا، وہ شاید اپائنٹمنٹ لیٹر تھا۔ بظاہر وکیل نظر آتے شخص پر ایک نظر ڈالے پیون اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"جائیں۔" وہ باہر آ کر اجازت ملنے کی اطلاع سنا رہا تھا۔

آفس پر سرسری سی نظر ڈالے اُس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مخالف سمت سے زبانی بھی سلام کا جواب موصول ہوا۔ لکڑی کے میز کے اُس پار کرسی پر بیٹھتے وجود نے نئے اندر داخل ہونے والے وجود کو ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کہیے وکیل صاحب!" اب وہ شائستگی سے پوچھ رہے تھے۔ آفس کا درجہ حرارت نارمل تھا۔

"مجھے خوشی ہو گی اگر آپ اپنا طرزِ تخاطب بدل لیں تو۔" وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھے کہہ رہا تھا۔

"یور گُڈ نیم؟" بڑی عمر کے شخص۔

"ضامن اقبال۔"

"کہیے ضامن صاحب۔"

"اسلامک لاء کے ایچ او ڈی، سلمان حبیب، وہ کب سے لاپتہ ہیں؟" کمرے کا درجہ حرارت تھوڑا سا بڑھا تھا یا پتا نہیں کیا لیکن جامیہ کے ڈین نے گردن میں لٹکی ٹائی ڈھیلی کی۔

"لاپتہ؟ وہ چھٹیوں پر ہیں۔" بات سنبھالنے کی پوری کوشش کی گئی۔

"اتنی لمبی چھٹیاں؟ مجھے لگتا ہے میں نے غلط پیشے کا انتخاب کیا ہے۔" لہجہ طنزیہ اور چہرے پر ہنسی۔ وہ یقیناً ضامن تھا۔

"دیکھیں وکیل۔۔۔ضامن صاحب! بات یہ ہے کہ میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔اگر یہ کسی قسم کی پولیس انویسٹگیشن ہوتی تو میں ضرور تعاون کرتا، لیکن ایسے سوالات پوچھنا نہ آپ کا کام ہے اور نہ جواب دینا مجھ پر فرض۔" دو ٹوک جواب، سیاہ لمبی کرسی پر بیٹھے بڑی عمر کے شخص نے بات ختم کرنا چاہی۔

"میں نے پولیس انویسٹگیشن کا ذکر نہیں کیا۔آپ کو کیوں لگا معاملہ اتنا سنگین ہو سکتا ہے؟" وہ آگے کو جھکا۔

"اِس کے علاوہ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" موضوع کو ترک کیا جائے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے میں نے آپ کو طرزِ تخاطب بدلنے کا کیوں کہا؟ کیوں کہ میں یہاں وکیل کی حیثیت سے نہیں آیا۔"

"بہتر۔" شروع والی گرم جوشی کمرے میں موجود کھڑکی سے چھلانگ لگا چکی تھی۔

"سمیع اکمل، میرا چھوٹا بھائی اسلامک لاء کا اسٹوڈنٹ ہے۔" غیر ضروری اطلاع۔

"اور؟"

"اور یہ کہ میں اس کے مستقبل کے لیے فکر مند ہوں۔" سراسر تمہید باندھی گئی تھی۔

"ایچ او ڈی اور آپ کے بھائی کے مستقبل کا کیا تعلق؟"

"تعلق گہرا ہے۔میں نہیں چاہتا میرا بھائی ایک کرمنل کے زیرِ سایہ تعلیم حاصل کرے۔اگر آپ کو اپنی یونیورسٹی اور اس میں پڑھتے طلبہ کی ذرا بھی فکر ہوئی تو آپ بھی یقیناً یہی چاہیں گے۔"

"ضامن صاحب آپ حد کراس کر رہے ہیں۔" اُن کا چہرہ کچھ تپش کچھ راز کے افشاں ہو جانے کے ڈر سے دہکنے لگا۔

"ابھی نہیں کی، اب کرنے لگا ہوں۔" اُس نے وقفہ لیا۔

"تو آپ نے کہا کہ اگر کوئی پولیس انویسٹگیشن ہوتی تو آپ تعاون کرتے۔اگر کوئی پولیس انویسٹگیشن ہوتی تو آپ اتنے پُر سکون نہ ہوتے۔میں آپ کا سکون تباہ نہیں کرنا چاہتا۔آپ چاہیں تو میں اگلی بار پولیس کے ساتھ بھی آ سکتا ہوں لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔" وہ رُک رُک کر بولتا تھا۔مخالف کا سانس البتہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ رکتا جاتا تھا۔وہ پھر بھی کہتا رہا۔

"چند ایک چالان کے علاوہ آپ کلین ہیں۔میں چاہتا ہوں آپ کلین رہیں۔میں چاہتا ہوں احکامِ بالا پچھلے دو سال سے امتحانات سے پہلے لیک ہوتے پیپرز کے بارے میں نہ جانے۔نہ آپ کے اسٹاف کی رشوت خوری کے قصے جامیہ کی ہر

راہداری میں گونجیں۔ تو آپ مجھے جواب دیں گے یا میں اگلی بار پولیس کے ساتھ آؤں؟" اس سارے وقت میں وہ ڈین کی جانب دیکھتا رہا۔ وہ سب ٹھکرانا چاہ کر بھی نہ ٹھکرا پائے۔

"میں نہیں جانتا وہ کہاں ہیں۔" ایک لمبے وقفے کے بعد اُنھوں نے بلآخر کہہ دیا۔

"آپ نے کہا وہ چھٹیوں پر ہیں۔"

"چھٹیاں ختم ہوئے عرصہ ہوا۔"

"اور یہ بات آپ نے ابھی تک رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

"میں۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے پھر تھم گئے۔ وہ ایک بار میں بات پوری کیوں نہ کرتے تھے؟ کمرے کی دیواریں بے زار ہوئیں۔

"آپ یہ بات چھپانا کیوں چاہتے ہیں؟" ایک نیا سوال۔

"میں جامیہ میں پولیس نہیں چاہتا۔" وہ اب ہار مان چکے تھے۔

"پولیس؟"

"میں نے ہر جگہ پتا کروایا۔ اُن کا گھر، آبائی گھر، اُن کا خاندان، سب غائب ہے۔ نقشے سے صاف۔"

"یہ ممکن نہیں۔" کہیں تو کوئی ذریعہ ہونا چاہیے، نہیں؟

"یہ ممکن نہ ہوتا تو آپ یہاں نہ ہوتے۔"

"قمر اعظم کو جانتے ہیں آپ؟" ایک اور غیر متوقع سوال۔

"قمر اعظم؟"

"اسسٹنٹ پروفیسر قمر اعظم، کافی عرصہ جامیہ میں اُن کے چرچے رہے ہوں گے۔ مجھے امید ہے آپ پہچاننے سے انکار نہیں کریں گے۔"

"اُن کی موت ہوئے ایک عرصہ ہوا ضامن صاحب! اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"مجھے سلمان حبیب کی پرسنل فائل چاہیے اور قمر اعظم کے بارے میں چند سوالات کے جوابات۔"

"پیپرز میں نے لیک نہیں کیے۔اور میں رشوت خور نہیں ہوں۔"انہوں نے سوالات سے بچنے کے لیے یا ضمیر کو تسلی دینے کے لیے وضاحت دی۔

"آپ نے یہ نہیں کیا میں جانتا ہوں۔ لیکن آپ کی موجودگی میں یہ دونوں کام ہوئے ہیں تو آپ برابر کے ذمہ دار ہیں۔ اگر آپ کو اپنے بچ نکلنے کی ذرا بھی امید ہوتی تو آپ یہ بات سب کو بتاتے۔ مجرموں کو سزا ملتی اور طلبہ کو انصاف۔ آپ نے نہ بتانے کو ترجیح دی، آپ نے بات دبادی اور اب بھی آپ یہی کر رہے ہیں۔ غیر موجودگی کی رپورٹ درج کرتے ہی فورسس کی پہلی منزل جامیہ ہو گی۔آپ کب تک اِس سے بھاگیں گے ؟"اُسے جیسے یقین تھا کہ یہ سب ایک روز کھل جائے گا۔ویسے بھی یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔اُس کا مسئلہ قمر اعظم تھا، محمل کے دعویدار کا قاتل۔

"آپ کو لگتا ہے میں نے یہ سب نہیں سوچا؟اس سے پہلے یہ ہو میں کوئی حل نکالنا چاہتا ہوں۔"وہ تھکے سے معلوم ہوتے تھے۔

"سلمان حبیب کون ہیں ؟"

"دو سال پہلے وہ جامیہ میں آئے تھے،اور پچھلے دو سال سے امتحانات میں ہونے والے مسائل بڑھتے گئے۔ مجھے ہمیشہ سے شک تھا لیکن چھ ماہ پہلے میرا شک یقین میں بدل گیا۔"

"آپ نے اُن سے سوال کیا؟"

"میں نے کیا، میں نے انہیں دھمکی دی۔ تین ماہ تک یہ سرد جنگ چلتی رہی اور پندرہ دن کی چھٹی کی درخواست کے بعد وہ کبھی جامیہ نہیں آئے۔"

"اُن کا قمر اعظم سے کیا تعلق تھا؟"وہ واپس اپنے سوال کی جانب آیا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"کرمنل ریکارڈ میں قمر اعظم اور سلمان حبیب کا نام ایک ساتھ موجود ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ نہیں جانتے۔"

"قمر اعظم اور سلمان حبیب سے میری واقفیت جامیہ تک تھی۔اُس سے پہلے وہ ایک دوسرے سے واقفیت رکھتے تھے یا نہیں میں نہیں جانتا۔"

"کیا آپ جانتے ہیں چار سال پہلے ہوئے قتل کیس میں سلمان حبیب مین سسپیکٹس میں سے ایک تھے؟" کہانی کا ایک اور رُخ۔

"ضامن صاحب میں آپ کو بتا چکا ہوں میں نہیں جانتا۔" یہ وکیل بس کیوں نہ کرتا تھا۔ انہوں نے سوچا۔

"آپ کی یونیورسٹی میں وہ بطور ایچ اوڈی کام کرتے رہے اور آپ کچھ نہیں جانتے۔ اور جو آپ جانتے تھے وہ کہنے کی آپ میں کبھی جرات نہیں ہوئی۔ آپ کو نہیں لگتا کہ آپ اس کرسی اور شاندار کمرے کے لائق نہیں ہیں؟" وکیل کو واقعی بس کر جانا چاہیے۔

"یہ صرف لفاظی ہے ضامن صاحب! آپ ابھی مجھے اخلاقیات پر درس دیں گے، من ہی من میں چار گالیاں نکالیں گے اور جامیہ کی حدود سے نکل کر عدالت میں کھڑے ہو کر کسی کے سچ کو اپنے جھوٹ سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ ایسا اِس لیے کریں گے کیوں کہ آپ کو اپنا روزگار عزیز ہے۔ آپ نہیں چاہتے کہ آپ کی کرسی اور شاندار کمرہ آپ سے چھین لیا جائے۔ تو آپ مجھے اخلاقیات کا درس دینا بند کریں۔ ہم دونوں میں سے کوئی کلین نہیں ہے۔ نہ میں ایک اچھا انسان ہوں نہ آپ خدا کے بھیجے گئے فرشتے۔" وہ بولے تو بولتے چلے گئے۔ وہ اچھا بولتے تھے۔

"میں آپ سے بہتر ہوں۔" آپ پر زور دیا گیا۔

"ایسا آپ کو لگتا ہے، ایسا اچھے اور برائی کی ریس میں دوڑنے کو تیار کھڑے ہر فرد کو لگتا ہے کہ وہ دوسرے سے بہتر ہے۔" مخالف سمت سے بھی 'آپ' پر زور دیا گیا۔

"آپ اچھا بولتے ہیں۔ کاش درست جگہ بول لیتے۔ سلمان حبیب کی فائل؟" اُس نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ اب شیلف پر پڑی کئی فائلز میں سے مخصوص فائل تلاش کر رہے تھے۔

"مجھے امید ہے آج کی گفتگو راز رہے گی۔" وہ اب اٹھ چکا تھا۔ سماعت تمام۔

"ہفتہ، دو ہفتے، مہینہ، گمشدگی کی خبر آگ کی طرح پھیلے گی۔" وہ حقیقت پسند تھا۔ نہیں وہ وکیل تھا۔

"اور ہو سکتا ہے وہ تب تک واپس آجائیں۔ فائل!" انہوں نے ضامن کی جانب فائل بڑھائی۔

"تعاون کا شکریہ!" فائل پکڑے وہ اب رسم نبھا رہا تھا۔

"آمد کا شکریہ!" رسم کا جواب رسم سے دیے وہ ضامن اقبال کو نکلتے دیکھتے رہے۔

****

"Glioblastoma, دماغ کا کینسر، جس کا علاج تو ممکن ہے لیکن زندگی کی ضمانت ختم۔ جو کبھی بھی کہیں بھی واپس دماغ پر دستک دے سکتا ہے جیسے کہیں گیا ہی نہ ہو۔" چھوٹا سا میٹنگ روم، شیشے کا دروازہ اور ایک طرف بنے چند آفس نما کمرے۔ ہم یہاں پہلے بھی آ چکے ہیں۔

کراچی کا صاف آسمان اور ساتویں یا آٹھویں دن کا چاند خوب چمک رہا تھا۔ چھوٹے کمرے کا سب سے مدھم بلب جل رہا تھا۔ کمرے میں اتنی روشنی تھی کہ ایک دوسرے کا چہرہ، تصاویر اور اخبار پڑھا جا سکے۔

دروازے کی مخالف دیوار پر ایک وائٹ بورڈ تھا جس کے ساتھ ہی کارڈ بورڈ کی تختی ٹنگی ہوئی تھی۔ چند تصویریں اور کاغزات میز پر بکھرے پڑے تھے۔ کافی کے تین سفید مڑے تڑے کپ اور پانی کی آدھ پی گئیں بوتلیں، وہ یہاں کافی وقت سے موجود تھے۔ وائٹ بورڈ کے ساتھ ہاتھ میں سیاہ مارکر پکڑے، دیوار سے پشت لگائے کھڑا شخص بول رہا تھا۔ چہرہ کافی حد تک واضح تھا۔ کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی بورڈ پر پڑ رہی تھی۔

"ہم اِس پر بات کیوں کر رہے ہیں؟ ہمیں بس محمل چاہیے۔" اُس کے مقابل، دوسرا براہی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی لڑکی تنگ سی پوچھ رہی تھی۔

"ہمیں محمل کی بنیاد چاہیے۔" مقابل کی بات کی فوراً نفی کی گئی۔

"پچھلے دو سال بلکہ کئی عرصے سے محمل ملک کی باقی فارماسیوٹیکل کمپنیز سے برتری کی جنگ لڑ رہی ہے۔ آج بھی وہی آگے نکلنے کا جنون اور پیچھے رہ جانے کا ملال، وہی کھیل، وہی سائیکل۔" کھڑے وجود نے بات جاری رکھی۔

"محمل آگے نکلے یا پیچھے رہ جائے یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہم غیر ضروری باتوں۔۔۔" لڑکی نے پھر لب کشائی کی۔

"جنگیں ایسے نہیں جیتی جاتیں۔ صرف مورچے تباہ کرنے سے فتح حاصل ہوتی تو یہ بہت آسان ہوتا۔ بچوں کے کھیل جیسا آسان۔" وہ بار بار کی مداخلت سے تنگ ہوا تھا۔ وہ چپ کیوں نہ کرتی تھی؟

"ہمیں اس وقت کیا چاہیے؟" اب وہ باقی لوگوں سے پوچھ رہا تھا۔

"محمل۔" سب کے جواب کو لفظ بائیں جانب بیٹھے ایک کم عمر لڑکے نے دیا۔

"غلط غلط، بالکل غلط!" وہ ہاتھ میں پکڑا مار کر دیوار پر مار رہا تھا۔ ٹک، ٹک، ٹک! آواز پیدا ہوئی اور کمرے میں گونجنے لگی۔

"ہمیں تریاک چاہیے، ہمیں مسئلے کی جڑ چاہیے۔" اب وہ کمرے کے بیچ میں پڑے میز کی جانب بڑھا۔ بس دو قدم کا فاصلہ تھا۔

"اور تمھیں لگتا ہے کہ وہ جڑ کوئی دماغ کا مرض ہے سنکی انسان؟" ناک کی سیدھ میں بیٹھی لڑکی پھر بولی تھی۔

"سات منٹ!" اُس نے میز سے اپنی گھڑی اٹھائی۔ اب وہ اُس پر ٹائمر لگا رہا تھا۔ جب لگا لیا تو گھڑی سب کی جانب موڑی۔

"سات منٹ اِس کمرے میں صرف میں بولوں گا اور سب سنیں گے۔ ٹھیک؟" وہ سمجھوتا کر رہا تھا۔

"وقت شروع ہوا۔" وہی لڑکی۔

"تو میں کہہ رہا تھا کہ ملک کی تمام فارماسیوٹیکل کمپنیوں کو مات دینے کی کوشش محمل پچھلے کئی سالوں سے کر رہی ہے۔ وہی وقتی کامیابی اور ازلی ناکامی۔ پھر محمل کو مراد ملا، بالکل کسی فلم کے انٹرول کی طرح، ایک مرنے کی خواہشمند ہیروئن، جو کسی بھی حال میں خود کشی کر لینا چاہتی ہے، اسے اس کا ہیرو بچانے آتا ہے۔ محمل کا مراد، سو رومانٹک۔" وہ ہاتھ اٹھائے مسرور سا بول رہا تھا، آواز میں مزاح کی گہری رمق تھی۔

"پھر وہ ہیرو ایک کڑی ڈھونڈتا ہے۔ کوئی بیماری، کوئی ذریعہ جو محمل کو خود کشی کرنے سے روک سکے۔ اور اُسے ایک بیماری ملتی ہے۔ گلیوبلاسٹوما، دماغ کا مرض اور ایک ڈرگ۔ ایک ایسا ڈرگ جو بیماری کے خلاف کام کر سکے۔ جو لوگوں کی جان بچائے اور محمل کو ناقابلِ تسخیر بنا سکے۔" اب وہ وائٹ بورڈ پر بیماری کا نام لکھ رہا تھا۔

"اِس وقت محمل کو کوئی بچا سکتا ہے تو وہ ڈرگ ہے جسے آج بھی محمل کی لیبز میں بنانے کی لگاتار کوشش کی جا رہی ہے اور میں ننیانوے فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ لوگ ڈرگ بنا چکے ہیں، بس اعلان باقی ہے۔ ایک انکشاف، ایک کلینکل ٹرائل اور سب کچھ محمل کا۔ شیئرز، کمپنی کے اسٹاک پرائس، سب! پھر وہ FDA,EMA جیسے اداروں سے رابطہ کریں گے اور محمل چند مہینوں کے اندر دنیا کی بہترین فارماسیوٹیکل کمپنیوں میں سے ایک ہو گی۔ جو کمپنی کئی سالوں سے صرف اپنے وجود کے لیے لڑتی آئی ہے اُس پر دنیا کی نظر ہو گی۔ یہ سب اتنا آسان ہو گا۔" اب وہ تختی کی جانب بڑھا، مارکر کا اشارہ تصویر میں نظر آتی اونچی عمارت کی جانب تھا۔ محمل۔

"GBX-47 محمل کے مستقبل کی چابی۔"

اب وہ وائٹ بورڈ پر ڈرگ کا نام لکھ رہا تھا۔

"پہلی بات یہ سب قصے، کہانیاں جو تم نے سنائی مجھے اِن پر یقین نہیں ہے اور اگر ایسا ہو بھی تو تمہیں لگتا ہے وہ ڈرگ بنانا اتنا آسان ہے؟ ایسے ہی ایک کمپنی کی کائی زدہ بیسمنٹ میں بنی چند ٹرائل لیبز میں وہ ڈرگ بنایا جا سکتا ہے؟ لوگ، دماغ، سرمایہ کیا کچھ نہیں چاہیے اِس کے لیے؟" مسلسل بولتے شخص سے عاجز لڑکی ٹھیک کہتی تھی۔

"میرے سات منٹ مکمل نہیں ہوئے، تمہیں صبر کرنا چاہیے۔" ہاتھ میں پکڑی پٹے والی گھڑی کا رخ موڑ کر وقت دکھایا گیا۔ ابھی بھی پانچ سے زیادہ منٹ باقی تھے۔

"مجھے لگتا ہے میں نے وہ حصہ مس کر دیا جس میں میں نے کہا ہو کہ وہ یہ سب لیگلی کریں گے۔" وہ طنز کر رہا تھا۔

"اور مجھے لگتا ہے تم نے جنرل نالج اور سائنس کا ساتویں جماعت میں دیا جانے والا پورا لیکچر مس کر دیا۔ تمہارا اِس بارے میں کیا خیال ہے؟" اور وہ طنز واپس نہ لوٹائے، ایسے کیسے؟

"ویسے مجھے سائنس واقعی پسند نہیں تھی اور جنرل نالج؟ مجھے ہمارے ملک میں کتنے میدانات اور جنگل اور دریا اور صوبے ہیں یہ جاننے میں دلچسپی نہیں ہے، قطعی نہیں۔ یہ مجھے بور کرتا ہے۔" وہ ایک برابر لہجے میں بول رہا تھا۔

"تم اپنی بکواس بند کرو گے؟" ابھی وہ مزید بات جاری رکھتا اس سے پہلے لڑکی نے اُسے ٹوک دیا۔

"تین منٹ، تین منٹ باقی ہیں اور بیچ میں تمہاری بغیر مقصد کی مداخلت کو نکال دیں تو تقریباً چار، ساڑھے چار منٹ۔" ایک بار پھر گھڑی پر چلتے وقت پر نظر ڈالی۔

"تو ہاں، وہ یہ سب لیگلی نہیں کر رہے، وہ کر ہی نہیں سکتے۔ ان کے پاس سرمایہ ہو بھی تو یہ تقریباً ناممکن ہے۔ اسٹیٹ سے اجازت، WHO کے ہزار جھنجھٹ، نہیں آج کے دور میں اتنا وقت کس کے پاس ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"انہیں کوئی سپورٹ کر رہا ہے۔ کوئی بہت بڑی طاقت، جو الیگل ڈرگز، کیمیکلز پاکستان تک لا بھی سکتی ہے اور ایک کائی زدہ بیسمنٹ میں بنی ٹرائل لیبز میں وہ ڈرگ بنا بھی سکتی ہے۔" مقابل کی بات دہرائی۔

"اور اب تم کہنے والے ہو گے کہ وہ 'بہت بڑی طاقت' شیطانی ہے اور دنیا کے چند بڑے لوگ نیو ورلڈ آرڈر (new world order) قائم کرنے کے لیے وہ ڈرگ بنا رہے ہیں۔ اگر تم واقعی یہ کہنے والے ہو تو کوشش بے کار ہے

کیونکہ میں پچھلے دو دنوں سے نہیں سوئی اور مجھے نیند آرہی ہے۔" لڑکی کی ایک اور بار مداخلت۔ باقی تمام نفوس خاموشی سے سب دیکھ اور سن رہے تھے۔

"تم اندازے بہت لگاتی ہو، فضول اور بے معنی اندازے۔ نہ وہ طاقت شیطانی ہے نہ یہ کوئی کنسپریسی تھیوری (conspiracy theory) ہے۔" اُسے چپ کروانے کی ایک اور کوشش۔

"مراد رضا کون ہے؟ تمہیں لگتا ہے کہ وہ کوئی انڈر کور ایجنٹ ہے یا پھر کسی ملک کی انٹیلجنس (intelligence) کے لیے کام کرتا ہے۔ یا تم یہ کہنے والے ہو کہ وہ صرف ایک کلون ہے اور اصلی مراد کب کا مر چکا ہے۔ مجھے پہلے بتا دو تاکہ میں خود کو تیار کر سکوں۔" اور کوشش ناکام ہوئی۔

"میرا خیال ہے تمہیں سو جانا چاہیے۔" اب وہ میز کے ساتھ بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ بھونویں جڑی ہوئیں تھیں، وہ غصے میں لگتا تھا۔

"گو کہ تم مرو یا جیو مجھے فرق نہیں پڑتا لیکن اِس وقت مجھے تمہاری ذہنی حالت درست نہیں لگ رہی۔" آہ یہ بندھے بالوں والی لڑکی بھی نا!

"اسمگلنگ کے فونز، کیمراز، ڈوائسز، بائکس، گاڑیاں، اصلحے یہاں تک کہ دوائیاں بھی۔۔ تمہیں لگتا ہے یہ ملک میں کون لاتا ہوگا؟ کیا لوگ اِن چیزوں کو اپنے جسم میں بھر کر لاتے ہوں گے؟ یا پھر بیگ کا نچلا حصہ چیر کر اُس میں ڈرگز کی تھیلیاں بھری جاتی ہوں گی؟ اینی گیسسز؟" اُس نے جواب دینے سے بہتر اپنی بات جاری رکھنا سمجھا، اب وہ باقیوں سے سوال کر رہا تھا۔

"بارڈر کے ذریعے۔" وہی چھوٹا لڑکا۔

"بالکل درست، بارڈر کے ذریعے۔ چار بارڈرز۔۔ پہلے دو، چائنہ پاکستان اور انڈیا پاکستان کا بارڈر۔ یہاں سے اسمگلنگ کی چیزیں پہنچانا مشکل ہوتا ہے۔ چائنہ پاکستان کا بارڈر، بارڈرز کا ڈی ایچ اے ہے۔ پاک اور صاف! وہاں غیر قانونی کام نہیں ہوتے، ہوتے بھی ہیں تو سامنے نہیں آتے۔ انڈیا پاک، بھاری نفری تعینات ہوتی ہے، یہاں سے بھی اسمگلنگ کر پانا مشکل ہے۔ پیچھے بچے دو بارڈرز، اران پاکستان بارڈر اور افغانستان پاکستان بارڈر۔ آسان ہدف! ایک مخصوص دن،

اور چھوٹا سا اشارہ۔اوریوں نجانے کتنی چیزیں غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوتی ہیں۔" وہ تختی پر لگے نقشے کو مارک کر رہا تھا۔

"تم نے ابھی کہا تمہیں جنرل نالج کا لیکچر پسند نہیں تھا۔" ایک اور مداخلت۔

"اور تم نے ابھی کہا تمہیں نیند آرہی ہے،اور ضروری نہیں کہ وہ نیند تم مجھے بیچ میں ٹوک کر بھگاؤ۔ کیا تم صرف کچھ وقت کے لیے چپ رہ سکتی ہو؟" خاموشی کی ایک اور کوشش۔

"ہاں کیوں نہیں اگر تم اپنا لیکچر تھوڑی جلدی ختم کر لو تو، کیونکہ اب مجھے نیند کے ساتھ بھوک بھی لگی ہے۔" اُس کا چہرہ دیکھ کر بتایا جاسکتا تھا کہ وہ درست کہتی تھی۔

"بارڈر سے بھرے ہوئے ٹرک گزر کر FATA کے راستے سے گزرتے ہوئے پشاور پہنچتے ہیں، اسمگلرز کا گڑھ۔ یہاں پر بھرے ہوئے ٹرک انلوڈ ہوتے ہیں اور سمگلنگ کا تمام مال آگے تقسیم ہوتا ہے۔" اب وہ نقشے پر مخصوص لکیریں کھینچ رہا تھا۔

"پشاور سے کراچی، چند ٹرک، تعداد میں سات، آٹھ یا دس ٹرک۔ ہفتے کے حساب سے تقریباً دس ٹرک کراچی پہنچتے ہیں۔" حساب بھی ساتھ ساتھ جاری تھا۔

"ڈرگ بنانے کے منصوبے کا آغاز جنوری 2023 میں ہوا اور باقاعدہ کام کا آغاز جولائی میں ہوا۔ چار ہفتے، کل ملا کر پچاس، پچپن ٹرک، اُن ٹرکس میں کیا تھا اور کون سا ٹرک کہاں پہنچا یہ جاننا میرے لیے آسان رہا۔" اُس نے چند کاغزات میز سے اٹھائے اور سب کے سامنے رکھے۔ وہ کسی کانٹریکٹ کی فوٹو کاپی معلوم ہوتی تھی۔ سیاہ روشنائی میں مراد رضا کے دستخط۔

"TRK-7720 یہ ٹرک ہائی وے پر کل سات مرتبہ دیکھا گیا۔ پہلی مرتبہ جولائی 2023 میں، پھر اکتوبر 2023 میں۔ یوں یہ ٹرک ہر تین ماہ کے وقفے سے پشاور سے لے کر کراچی تک کے چکر لگاتا رہا۔" وہ میز سے نیلے ٹرک کی تصویر اٹھائے تختی پر لگا رہا تھا۔

"تین ماہ؟ ہر تین ماہ بعد ہی کیوں؟" چھوٹے لڑکے نے تیسری یا شاید چوتھی بار لب کشائی کی۔

"تم سمجھدار ہو کیونکہ بھوک اور نیند کا رونا رونے کی بجائے تم کام کے سوال پوچھتے ہو۔" حالانکہ اب وہ چپ تھی لیکن وہ پھر بھی باز نہ آتا تھا۔

"تین ماہ اس لیے کیونکہ انہیں ہر بار ڈرگ بنانے میں تین ماہ لگے۔انہوں نے سات بار ڈرگ بنانے کی کوشش کی۔جن میں سے چھ مرتبہ وہ ناکام رہے۔آخری بار ٹرک نو مارچ 2025 کو کراچی آیا۔اب اگست چل رہا ہے۔پانچ ماہ اور آٹھویں کوشش کے کوئی آثار نظر نہیں آتے،یعنی ساتویں دفعہ میں وہ ڈرگ بنا چکے ہیں۔" وہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچا۔

"ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہو سکتا ہے،ٹرک ڈرائیور شراب کے نشے میں ٹرک کو آگ لگا سکتا ہے یا یہ بھی تو ممکن ہے کہ پولیس کو ڈرائیور کی اسمگلنگ میں مدد کا پتہ چل گیا ہو اور ٹرک اُن کی حراست میں ہو اور اِس کام کے لیے وہ کوئی اور ٹرک استعمال کر رہے ہوں۔" وہ دلائل دے رہی تھی۔اِس بار کھڑے وجود کو اُس کی بات پسند آئی تھی،مطلب دماغ کا استعمال وہ بھی کرتی ہے،بہتر۔

"یہ ڈرائیور،ساتوں بار یہی ڈرائیور،وہ ٹرک چلا رہا تھا۔اسمگلنگ ایک جال ہے،پورا مافیہ،ایک ٹرک ایک ہی آدمی چلائے یہ ایک بار ہو سکتا ہے یا دو بار،ڈرائیور کو ٹرک سے سچی محبت ہو تو تین بار بھی ہو سکتا ہے لیکن سات بار؟ سات بار نہیں۔یعنی وہ ڈرائیور،نہ ہی وہ ٹرک،کسی اسمگلنگ مافیہ کا حصہ تھے۔ڈرائیور اسمگلر ہوتا اگر وہ وہی پیٹرن فالو کرتا جو مہینے کے اندر کراچی میں داخل ہونے والے چالیس یا پچاس ٹرک کرتے ہیں۔" وہ ڈرائیور کی تصویر سب کو دکھا رہا تھا،پھر اُس نے وہی تصویر تختی پر لگائی۔

"اتفاق بھی ہو سکتا ہے اور ویسے بھی ضروری نہیں کہ۔۔۔" اب کی بار آواز غیر شناسا تھی،وہ نسوانی آواز تھی۔

"یہاں اتفاق کا ہونا ایسے ہے جیسا گوروں کا ٹائم ٹریول کرنا۔" اُس نے سر جھٹکا،اِس دنیا میں اتفاق نہیں ہوتے۔

"اتفاق کا ہونا ناممکن ہو سکتا ہے لیکن ٹائم ٹریول کرنا نہیں،غلط مثال مت دو۔" وہی غیر شناسا آواز،اُسے شاید اپنی فینٹسی کے خلاف بات پسند نہ آئی تھی۔

"ضرور سائنٹسٹ کیوں نہیں!" وہ بات جاری رکھنے والا تھا مگر۔۔۔

"سات منٹ ختم ہو چکے ہیں۔میں واشروم جا رہی ہوں۔" وہ اٹھ چکی تھی۔

"مسئلہ تمہیں نینداور بھوک کا تھااور جاتم واشر وم رہی ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ ایک نارمل انسان کا عموماً ایسا ہی رویہ ہوتا ہے؟ اگر تم کنفرم کرنا چاہو تو میں تمہیں ایک سائکاٹرسٹ کا نمبر دے سکتا ہوں، وہ میرے اچھے دوست ہیں اور۔۔" سنجیدگی سے بھرپور لہجہ۔

"تم زیادہ بولتے ہو، میں دیکھوں گی اگر یہ بھی کوئی دماغی بیماری ہے تو۔ میرے بھی ایک سائیکاٹرسٹ دوست ہیں۔" اسی سنجیدگی سے کہتی وہ دروازہ دھکیل کر باہر نکل گئی۔

"آج کے لیے اتنا ہی، باقی کل۔" وہ میز پر بکھرے کاغز سمیٹ رہا تھا۔

****

جاری ہے

کیا ہیں سفرِ ادب اسپیشل ناولز؟

سفر ادب اسپیشل ناولز وہ ناول ہیں جو ہمارے ایڈیٹرز خود پڑھتے ہیں اور پسند آنے پر ہی انہیں ہماری ویب سائٹ پر پبلش کیا جاتا ہے۔ یہ وہ کہانیاں ہیں جو بہترین بنا کر پیش کی جاتی ہیں۔ اس کلیکشن میں آپ کو صرف وہی کہانیاں ملیں گی جو آپ کو بے حد پسند آئیں گی، خاص کر مکمل ناول۔

اگر آپ ایک لکھاری ہیں اور اپنی کہانی سفر ادب اسپیشل کے طور پر پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ہماری ویب سائٹ پہ موجود پبلشنگ گائیڈ پڑھنا نہ بھولیں۔

کسی بھی قاری یا لکھاری کو سفر ادب کی بنائی پی۔ڈی۔ایف یا کسی بھی فارمیٹ میں بنائی گئی ای بکس کے کمرشل استعمال کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اگر آپ کہیں پہ ہمارے اثاثے کا استعمال ہوتا دیکھیں تو ہمیں نیچے دیے گئے ای میل ایڈریس پر ضرور مطلع کریں۔

info@safareadab.com

سفر ادب اب ای بکس کے ساتھ ساتھ کہانیوں کی آڈیو بکس بھی بنا رہا ہے۔
یہ آڈیو بکس بغیر کسی میوزک کے مزید کتابیں لوگوں تک پہنچانے کی ایک
کوشش کے طور پر بنائی جا رہی ہیں۔ اگر آپ اپنی کہانی آڈیو بک کی شکل میں
ہمارے یوٹیوب چینل پر پبلش کروانا چاہتے ہیں تو ابھی رابطہ کریں:

publishing@safareadab.com

اگر آپ وائس اوور (voiceover) آرٹسٹ ہیں اور ہمارے ساتھ ان
آڈیو بکس پر کام کرنا چاہتے ہیں تو ہماری ویب سائٹ پر موجود اس جاب کی
ڈیٹیلز پڑھیں۔ لنک نیچے موجود ہے:

Click Here

آڈیو بکس سننے کے لیے نیچے موجود بٹن پر کلک کریں:

Click here to Listen Audiobooks

Discord Server

Safar-e-Adab

A Glimpse to the hidden world
of our Discord Server

#novel-alerts
where you receive links of every new
novel published on our website

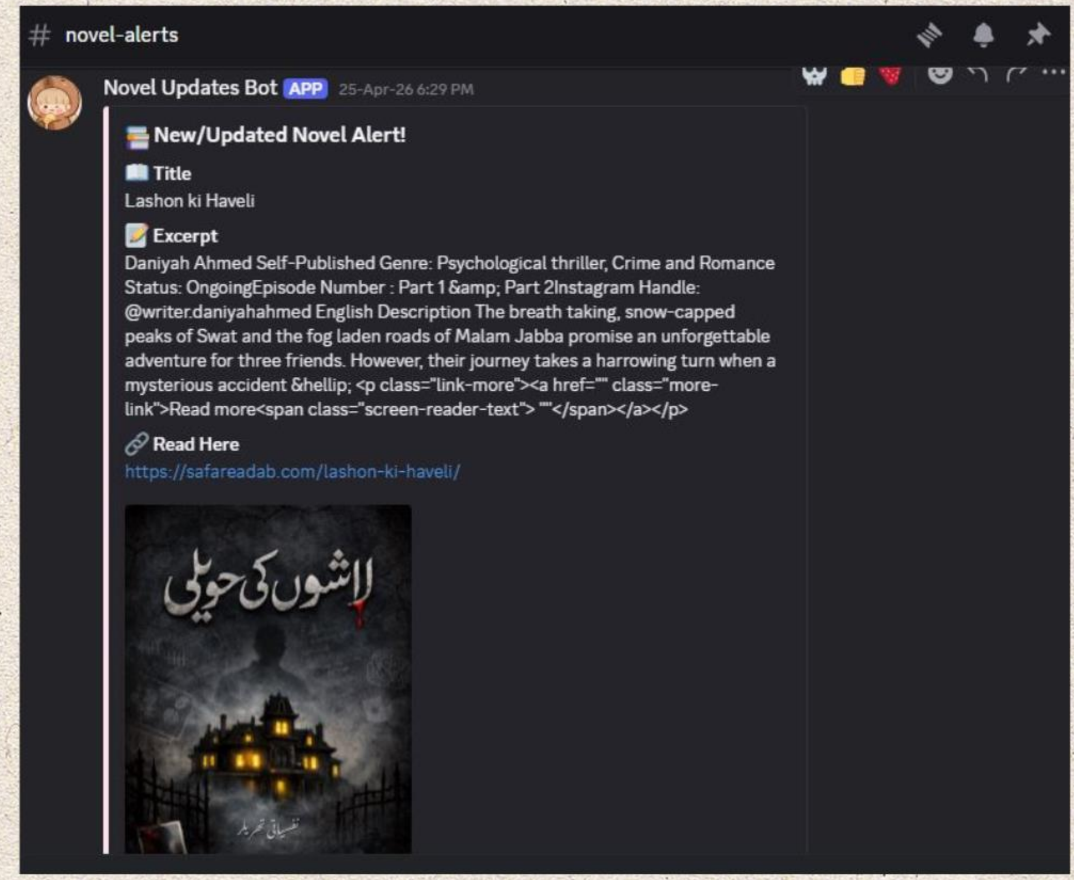

#writers-support

quickest way to seek help from our official team

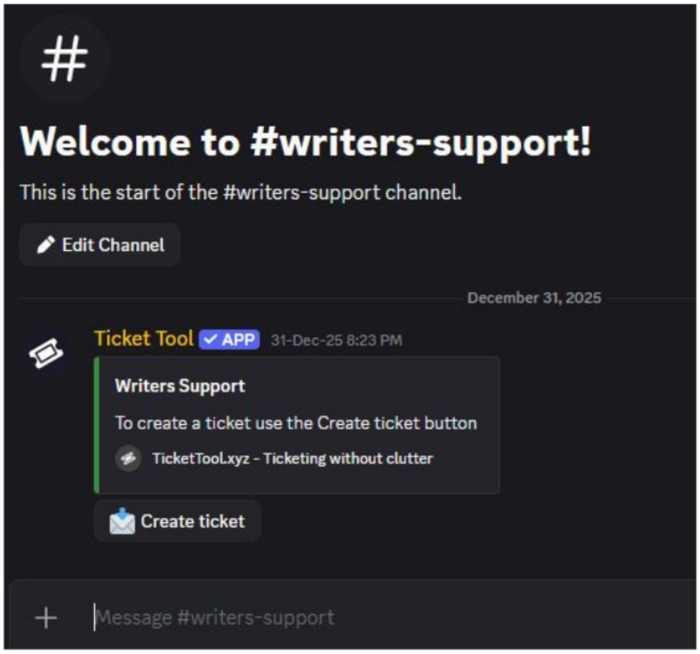

#buddy-reading-chat

find your reading buddy and read, discuss, and rant together

#reviews

#general-chat

Drop or read reviews, chat with other writers & readers and much more. A whole world waiting for you.

Click here to join